مسئلہ تقدیر کا اُلٹا استعمال

نعیم صدیقی

(قسط دوم)

احکامِ جہاد اور مسئلہ تقدیر جہاد کے لیے جو خطابات قرآن میں نازل ہوئے ہیں اُن میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس میں جہاد کے احکام کے ساتھ ساتھ حقائقِ تقدیر نہ بیان ہو رہے ہوں۔ یہ محض اس لیے کہ جہاد کی قربانی پر اطمینانِ قلب کے ساتھ آمادہ کرنے میں ان حقائق کا علم مدد ہوتا ہے۔ مثلاً سورۂ النساء میں جہاں فرمایا کہ "مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ـــ الخ۔ وہاں دلوں کا چور پکڑا کہ تم شاید موت سے ڈرتے ہو تو سن لو کہ:۔

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ	تم جہاں بھی ہو اپنے وقت مقررہ پر، موت تم کو آلے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ پناہ لیے ہوئے ہو۔

دیکھ لیجیے کہ موت کے اٹل تقدیر ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ موت کا خوف دل سے الگ رکھ کے مسلمان فریضۂ جہاد پہ کمربستہ ہو جائے۔

اسی سلسلۂ کلام میں نفاق زدہ لوگوں کی ایک بیماری اور پکڑی کہ وہ "اطاعت رسول" میں اس لیے کوتاہی ہو رہے تھے کہ رسول پر پورا پورا اعتماد نہ تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ یعنی کوئی اچھی صورت پیش آئی تو کہا کہ یہ تو اللہ کا کرم ہے اور کوئی تکلیف پہنچی تو رسول پر الزام رکھ دیا کہ اس کی تدبیر ہی ایسی تھی، ہماری رائے پر کام کیا جاتا تو یہ نہ ہوتا۔ ان کو جواب دلوایا گیا کہ "كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ"

سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے بھلائی ہو یا برائی اُس کا وقوع اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہوتا ہے لیکن پھر ایک دوسرے پہلو سے اسی حقیقت کی جھلک یوں دکھائی کہ "جو بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن جو کوئی برائی تم کو ملتی ہے تو وہ تمہارے اپنے نفس کے فساد کا نتیجہ ہوتی ہے" اللہ اسے تمہاری طرف پلٹا دیتا ہے۔

اس نظامِ تقدیر کو بیان کرنے سے سارا مقصد یہ تھا کہ "اطاعتِ رسول" کے بغیر اللہ کی اطاعت کے کوئی معنی نہیں۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

اسی طرح آلِ عمران (آیات ۱۴۳ تا ۱۴۵) میں بھی جہاد ہی کے موضوع پر بات کرتے کرتے موت کے مقدر ہونے کو واضح فرمایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا۔

اور کسی جان میں یہ تاب نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مر سکے جو ایک وقتِ مقرر کے لیے قلمبند کیا گیا ہے

آلِ عمران ہی میں جہاد پر بات کرتے ہوئے منافقین کے اس فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کے متعلق یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ لوگ اگر ہماری مانتے اور ہماری طرح ذرا بچ کے رہتے تو مارے نہ جاتے۔ اس طرح کی باتیں مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی تھیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں بھی اپنی تقدیر ہی کا راز بیان کیا کہ

قل لو كنتم فى بيوتكم لبرز الذين كتب عليهم القتل الى مضاجعهم

کہہ دو (اے محمدؐ!) کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تو وہ لوگ بہرحال اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلتے جن کے لیے قتل مقدر تھا۔

یہ کلمات جہاد سے جی چرانے والوں کے فلسفہ کے جواب میں کہہ کر جہاد کا جذبہ رکھنے والوں کی ہمت بندھائی جا رہی ہے۔ تقدیر کا بیان یہاں بھی معصیت سے روکنے اور طاعت پر ابھارنے کے لیے ہے۔

یہی گروہِ منافقین پھر زد پہ آتا ہے۔ اس گروہ کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں پر مصیبت پڑے تو

خوش، اور ان کو کامیابی ہو تو مغموم! جنگ احد میں جب مسلمانوں کو زک پہنچی تو یہ لوگ بغلیں بجاتے پھرتے تھے کہ دیکھو، ہم عقلمند تھے، میدانِ جنگ میں نہ گئے، اور تم بیوقوف تھے، موت کے منہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں میں ان کی ان باتوں کا جو ردِ عمل پیدا ہو رہا تھا اس کو صحیح رُخ پر ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم سے یہ جوابی کلمہ کہلوایا کہ:

لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا بجز اس کے کہ اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہو۔ وہ ہمارا کارساز ہے اور چاہیے کہ اہلِ ایمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

اس جواب میں طمانیت، مضبوطی، استقامت اور توکل کی کیسی زوردار روح کام کر رہی ہے۔ لیکن کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس سے اُلٹا اپنے لیے بے اطمینانی، تذبذب، ڈھل مل یقینی اور مایوسی اخذ کریں۔

پھر کچھ اور کمزوریاں ہیں جو میدانِ جہاد میں اثر دکھاتی ہیں۔ ان کی طرف "منکم من یرید الدنیا" کہہ کر اشارہ کیا اور میدانِ احد میں اس کمزوری کا مزہ چکھایا۔ پھر اس واقعہ کا ذکر یوں کیا کہ:۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ

(یاد کرو وہ موقع جب تم (آگے ہی آگے) چڑھے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے، حالانکہ رسول تم کو پیچھے سے پکار رہا تھا، چنانچہ (رسول کو) دُکھ دینے کے بدلے میں تم کو بھی دُکھ پہنچا — (یہ توضیح اس لیے ہے کہ) نہ تو اُس پر جو ہاتھ سے جائے اور نہ اُس پر جو پیش آئے کوئی ملال کرو۔

یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے کو تو نہ مالِ غنیمت کے ہاتھ سے جانے کی پروا ہونی چاہیے اور نہ موت کی نہ زخم لگنے کی، لیکن تم میں چونکہ دنیا پرستی کام کر رہی تھی اس لیے تم تھوڑی دیر کے لیے ابتلا میں آگئے۔

اسی سلسلے میں یہ بتایا کہ خدا کی نافرمانی اور رسول کی ناراضی کے ساتھ اُلٹی سیدھی تدبیروں سے

جنگ آزمائی کرنا کس کام کا۔ اور اپنی کثرت پر اترانا چہ معنی، جبکہ فتح کا فیصلہ دراصل اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم، وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ! وعلی اللہ فلیتوکل المومنون

اللہ اگر تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد اور کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

آل عمران ہی کی بڑی مشہور آیت (۲۶-۲۷) جو جبریت کا خزانہ نکات بن کے رہ گئی ہے، وہ بھی دراصل جہاد اور معرکہ ہائے کفر و دین ہی کے لیے مومنین کے جذبات کی آبیاری کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کہو کہ اے ہمارے اللہ! تو ہی سلطنت کا والی ہے، تو اپنے دستِ خیر و برکت سے جسے چاہے ملک (کی باگ ڈور) سونپ دے اور جس سے چاہے ملک (کی باگ ڈور) سلب کر لے، جسے چاہے غلبہ دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے! بلاشبہ تو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے تو رات کو دن میں پروتا ہے اور دن کو رات میں پروتا ہے اور زندہ کو مردہ میں سے برآمد کرتا ہے اور مردہ کو زندہ میں سے، اور تو جسے چاہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو جس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے دشمن اور حق کے مخالفین چاہے کتنے ہی دبدبے اور طنطنے دکھائیں، کتنی ہی تیاریوں کا مظاہرہ کریں، کیسے ہی جبار نہیں، قوت اور ساز و سامان پر کتنا ہی کبر دکھائیں اس دنیا کے نظم پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اصل اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ جب ایک نئی اُبھرتی ہوئی اور بظاہر کمزور سی قوت کو اقتدار دینا چاہے تو اس کا راستہ کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جس بڑی سے بڑی قوت سے تسلط کا منصب چھین لینے کا فیصلہ کرے، پھر اس کا کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ وہ غلبہ رکھنے والوں کو مسندِ نخوت سے نیچے پٹخ دے یا ان کے پیروں میں روندے جانے والوں کو اُٹھا کر عزت کے تخت پر بٹھا دے، کسی کا دانت پیسنا حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ مایوسی اور مصیبت کی تاریکیوں میں سے امیدوں اور کامرانیوں کی صبح کو ابھار کے لاتا ہے اور کفر و شرک کی شبِ تیرہ کے شکم سے ایمان و اسلام کا سورج برآمد کرتا ہے۔ اور پھر وہی ہے جو متکبرین کے کبر اور مترفین کی عیاشیوں اور ظالمین کے ظلم و ستم کے دن کو نامرادی کی رات میں بدل دیتا ہے۔ وہ عالمِ جسمانی میں بھی اور روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی مردوں کے اندر سے زندگی کا طوفان اٹھا دے تو، اور ایسے ہی وہ زندوں کو مردوں میں بدل دے تو، کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور پھر وہی ہے کہ کسی سے مادی و روحانی رزق سلب کرلے اور کسی پر اپنے رزق کے دروازے کھول دے تو آڑے آنے والا کوئی نہیں۔

یہ آیت اپنے مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر آیتِ انقلاب ہے، یہ مشیت کے نظامِ تغیر کو واضح کرتی ہے اور وہی بات کہتی ہے جسے حضرت عیسیٰ نے کہا کہ کتنے ہی آگے ہیں کہ جو پیچھے ہو جائیں گے اور کتنے ہی پیچھے ہیں کہ جو آگے آجائیں گے۔ مگر ساتھ کے ساتھ یہ آیت اس غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے کہ تغیرات کا تقدیری نظام کوئی غیر حکیمانہ نظام نہیں ہے کہ تقدیر اندھے کی لاٹھی کی طرح حرکت کرے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دستِ خیر کے ذریعے ہو رہا ہے اور ہر تغیر کے پیچھے حکمت و مصلحت موجود ہے اور ہر الٹ پھیر کے لیے قوانین ہیں۔ اس آیت میں "بِيَدِكَ الْخَيْرُ" کے الفاظ ہی اصل سرچشمہ تسلی ہیں کہ خدا تعالیٰ جب سارے تغیرات خیر کے لیے کر رہا ہے تو پھر وہ لوگ جو ایک نظامِ خیر و فلاح کے لیے معرضِ کشمکش میں ہوں ان کو مطمئن ہونا چاہیئے کہ تبدیلی آئے گی تو ان کے ہی حق میں آئے گی۔

اس آیتِ انقلاب کا اصل منشا کشمکش اور جہاد کے مراحل میں مومنین کو ثبات عطا کرنا تھا، لیکن دنیا نے اسے بھی جبریت کے سرد خانے (Cold storage) میں رکھ کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔

اس آیت سے کچھ اوپر یہی حقیقت ایک اور انداز میں واضح کی گئی ہے۔ یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ اگر تم پر ذرا کچھ آنچ آگئی ہے تو اس کی وجہ سے نہ تو ڈھیلے پڑو اور نہ بزدل ہو کے پڑ رہو، جہاں تم کو گزند پہنچا ہے وہاں دوسروں کو بھی پہلے گزند پہنچ چکا ہے، فوراً نظامِ تقدیر کا ایک گوشہ بے نقاب کر دیا کہ:۔

وتلك الايام نداولها بين الناس۔ اور ان (برے اور بھلے) ایام کو ہم اسی طرح لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نفع و نقصان، کامیابی و ناکامی، مایوسی و امید، فتح و شکست کے حوادث کا تو ایک چکر ہے جسے قدرتِ الٰہی برابر گھما رہی ہے کہ کبھی تاریک رُخ سامنے آجاتا ہے اور کبھی روشن رُخ، کبھی دن ہے کبھی رات، کبھی اپنی بن آتی ہے کبھی مخالف کی، اور جن کو اپنا راستہ بنانا ہوتا ہے وہ حوادث کے اسی الٹ پھیر کے درمیان سے بنا لے جاتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ توضیح بھی کر دی گئی ہے کہ گردشِ تقدیر کا ایک اصول یہ ہے کہ کفار کے مقابلے میں غلبہ اہلِ ایمان ہی کو ملتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں اہلِ ایمان ہوں۔ مسلمانوں میں یقین و طمانیت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ واضح اور کونسے الفاظ ہونگے۔

پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اسی گردشِ ایام کی کٹھالی میں پڑ کر تو وہ ایمان والے نکھرتے ہیں کہ جن کو اللہ منصبِ شہادت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ اس اشارے میں خود یہ دعوت شامل ہے کہ منصبِ شہادت کے قابل بنو اور آزمائش آئے تو کھرے بن کر نکلو۔

آیت جد و جہد میں زیادہ مضبوطی کی دعوت دے رہی ہے، مگر یہی آیات ہیں کہ جن کا موقع و محل نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ ان کو جمود و ملال ہی پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں قصۂ طالوت کے اندر ایک حقیقتِ تقدیر یہ بھی واضح کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نظامِ مشیت نہ بناتا جس میں بگڑ جانے والوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے دوسرے بہتر لوگ اٹھائے جاتے رہیں تو ساری زمین اخلاقی فساد سے بھر جاتی۔ یہاں پھر یہ اشارہ اخذ ہوتا ہے کہ دشمنانِ حق

کا جو تسلط آج تم دیکھتے ہو اسے تہ و بالا کرنے ہی کے لیے تو نظامِ تقدیر کے تحت تم میدان میں آئے ہو۔ پھر جھجک کیسی! ہمت سے کام لو اور ٹکرا جاؤ!

تحریکِ انفاق کے لیے بیانِ تقدیر انفاق بھی طاعتِ الٰہی کا ایک بڑا شعبہ ہے۔ چنانچہ رزق کا نظامِ تقدیر بالعموم ان مواقع پر واضح کیا گیا ہے جہاں انفاق کی ترغیب دلانا مطلوب تھا۔ مگر کتنی عجب بات ہے کہ رزق کے نظامِ تقدیر کو زر پرست بخیلوں نے انفاق سے گریز کے لیے دلیل بنایا ہے! سورۂ یٰسین میں دیکھیے:-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے انفاق کرو تو یہ کفر کرنے والے ایمان والوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کو ہم کھلائیں جن کو اگر اللہ نے کھلانا چاہا ہوتا تو خود کھلاتا۔ تم لوگ تو نہایت واضح گمراہی میں مبتلا ہو!

دیکھیے طاعت سے بچنے کے لیے کس شاندار طریق سے مسئلۂ تقدیر (جبریت) کو آڑ بنا لیا گیا تھا اپنی ذمہ داریاں اٹھا کے کفار نے خدا کے سر ڈال دیں۔ خدا کا تقدیرِ رزق کا نظام تو تفاوت کے ساتھ رزق دیتا ہے تاکہ آزمائش کا مقام پیدا ہو اور جہاں کچھ لوگوں کے لیے صبر و کسب لازم آئے وہاں دوسروں کے لیے شکر و انفاق واجب ٹھہرے لیکن جب اُن سے مطالبہ ہوا کہ انفاق کرو تو وہ فرماتے ہیں کہ خدا خود ہی غریبوں کی دست گیری، یتیموں کی کفالت اور مساکین کی چارہ گری کیوں نہیں کرتا جب اس نے ان کو غریب و مجبور بنایا ہے تو ہم کیوں بیچ میں مداخلت کریں۔

بات یہیں تک نہ رہی، بلکہ جب اللہ کے نام پر انفاق کا مطالبہ ہوا تو کفار طنزاً کہتے کہ لو بھائی دیکھنا خدا غریب ہو گیا ہے اور اب ہم ہی غنی رہ گئے ہیں کہ اس کی کچھ مالی مدد کریں۔

لیکن قرآن تقدیرِ رزق کو بیان کرتا ہی ترغیبِ انفاق کے لیے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں جہاں

مطالبہ کیا کہ اللہ کو قرض حسنہ دو، یعنی اس کی راہ میں مال خرچ کرو تو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ۔ اور اللہ ہی (روزی کو) تنگ اور فراخ کرنے والا ہے۔

یعنی انفاق میں اس اندیشے سے کوتاہی نہ کرو کہ تمہارے حصے کا رزق کم ہو جائے گا اور تم بھوکوں مرو گے نہیں جو اللہ انفاق کا حکم دے رہا ہے، روزی کو تنگ اور فراخ کرنے کے اختیارات بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پس بخیل نہ بنو!

یہی بات سورۂ بنی اسرائیل میں کہی۔ جہاں یہ فرمایا کہ وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ :-

اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا ۔ یقیناً تیرا آقا اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو وسیع یا محدود کرتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔

یہاں بھی رزق کے نظامِ تقدیری کو اسی لیے بیان کیا کہ نہ اپنے اخراجات میں مسرف بنو، نہ حق کی راہ میں صرف کرتے ہوئے بخیل بنو، بلکہ اعتدال سے چلو کہ اپنی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور دین کی تحریک بھی چلے۔ اور انفاق کرتے ہوئے یہ یقین رکھو کہ رزق دینے والا مالک تمہاری ضروریات سے باخبر اور تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے اور رزق کی فراخی و تنگی کرنے کے سارے پیچ اس کے ہاتھ میں ہیں۔ "اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا" میں بالکل نمایاں طور پر شفقت اور کارسازی اور کفالت کی یقین دہانی موجود ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت اور تقدیرِ رزق سورۂ بنی اسرائیل میں اور دوسری جگہ بھی اہلِ عرب کو قتلِ اولاد سے روکا گیا ہے۔ عرب میں اولاد (خصوصاً بیٹیوں) کو جن وجوہ سے قتل کیا جاتا تھا ان میں سے ایک بڑی وجہ مفلسی کا ڈر بھی تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ کنبے کے افراد اگر بڑھ گئے (اور لڑکیاں بچاری کماؤ تو ہوتی ہی نہیں) تو تنگ حالی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس سے

روکا اور اس کی اصل وجہ پر بھی گرفت کی:-

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ: اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم ان کو رزق دینے والے ہیں۔ اور خود تم کو بھی!

یہاں دیکھیے کہ ایک شدید گھناؤنی معصیت سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلایا ہے کہ رزق پہنچانا ہمارا کام ہے اور خوش حالی اور غریبی مقدر کرنے کے اختیارات ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ کنبے کے افراد بڑھ جانے سے ضروری نہیں کہ خوش حالی کا خاتمہ ہو جائے اور ان کی افزائش کو روک دینے سے ضروری نہیں کہ افلاس سے بچا جا سکے۔ لہٰذا اس معصیت سے باز آجاؤ اور اپنی اُلٹی سیدھی تدبیروں سے اپنی تقدیر بنانے کی کوشش نہ کرو۔

اسی اصول پر لونڈیوں سے عزل کرنے کے بارے میں نبی صلعم نے ممانعت فرمائی اور وہاں بھی نظامِ تقدیر ہی کو طاعت پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنایا۔ فرمایا کہ تم کچھ بھی کرو جس جان کا پیدا ہونا مقدر ہے اسے کوئی تدبیر پیدا ہونے سے روک نہیں سکتی!

ہدایت و ضلالت اور تقدیر ہدایت و ضلالت بھی تقدیر کی بحثوں کا ایک بڑا موضوع رہا ہے۔ اس موضوع کو سب سے پہلے شیطان نے چھیڑا تھا۔ وہ حکمِ سجدہ کی تعمیل سے دیدہ و دانستہ خود انکار کرتا ہے لیکن اپنی ذمہ داری کو سر سے اتار کر خدا تعالیٰ پر ڈالنے کے لیے کہتا ہے کہ "رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ" اس کا مدعا یہ تھا کہ میں تو طاعت ہی کرنا چاہتا تھا لیکن تیری مشیت نے ایسے حالات میرے لیے پیدا کر دیے کہ میں بغاوت پر بالکل مجبور ہو گیا۔ سرکشی میں نے کی نہیں، مجھ سے کرائی گئی ہے۔ کفر مجھے پسند نہ تھا، مجھ پر ٹھونسا گیا ہے۔ اپنے ان الفاظ کی روشنی میں شیطان فلسفۂ جبریت محضہ کا سب سے پہلا بانی ہے۔ مجبرین اور رضائیین کی یہ خوشنما پناہ گاہ اسی کی بنائی ہوئی ہے۔

اسی شیطان کے شاگرد وہ بھی تھے جنہوں نے نبی صلعم کی دعوتِ ایمان و طاعت کے جواب میں یہ کہا تھا کہ:-

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ: اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا

مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ

کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو اپنے لیے حرام ٹھیراتے!

یعنی ہمارا شرک اور خدا کے مقابلے میں ہماری شریعت سازیاں کچھ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ہم خود سوچ سمجھ کر اس چکر میں پڑے ہیں، بلکہ خدا نے خود ہم سے یہی چاہا ہے اور ہم کٹھ پتلیوں کی طرح یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے اگر وہ چاہتا کہ ہم یہ کچھ نہ کریں تو وہ ہمیں باز رکھ سکتا تھا۔ ہم بتوں کے سامنے سر جھکانا چاہتے اور وہ ہماری گردنیں پکڑ لیتا، ہم کسی حلال شے کو حرام کہنے کا ارادہ کرتے اور وہ ہماری زبان کو باندھ دیتا، بھلا اس کی عظیم الشان طاقت کے مقابلے میں ہماری کیا بساط تھی کہ ہم اس کی مرضی کے خلاف کسی اور طرف قدم بڑھا سکتے۔

ان کلمات کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے علم و اختیار کی، اپنے منصب خلافت کی، اپنی انسانیت کی، اپنے ارادہ و انتخاب کی، اپنی قوتِ تمیز کی کُلّی نفی کر دی اور سرے سے ذمہ دارانہ بن کی کوئی بنیاد ہی گویا نہ چھوڑی کہ اس بنیاد پر ان کو دعوتِ دین دی جا سکے۔

بھلا ان سے کوئی پوچھتا کہ اگر تم کسی جنگل میں بھٹک جاؤ تو کیا وہاں بھی اسی پوزیشن کو اختیار کرو گے کہ نہ کسی سے راستہ پوچھو، نہ غلط راستے کو چھوڑ کر دوسری طرف مڑو، بلکہ اگر کوئی بطورِ احسان تم کو بتائے بھی کہ یہ راستہ تو چیتوں کے بھٹ کی طرف جاتا ہے، شہر کو جانے والا راستہ اُدھر سے ہو کے گیا ہے تو تم اسے یہ جواب دو کہ اگر اللہ چاہتا کہ ہم اُس راستے پر چلیں تو وہ ہمیں خود ہی چلا دیتا، اب تو اُس نے اِدھر ہی چلا دیا ہے لہٰذا اِدھر ہی چلیں گے، چاہے آگے چیتوں کے بھٹ ہوں یا آگ کے گڑھے؟

مگر نہیں، تقدیر کا یہ جاہلانہ تصور روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرنے کے لیے تھوڑی ہے۔ یہ تو صرف ایمان و اخلاق اور قلب و روح کی دنیا میں کام دیتا ہے۔

ایک اور جگہ تقدیر کے اسی استعمال کا تذکرہ یوں ہوا ہے:۔

سیقول الذین اشرکوا لو شآء اللہ (اب یہ شرک کرنے والے دعوت الی اللہ کے جواب میں)

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰي ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝

یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا نہ شرک کرتے اور نہ (مشرکانہ عقاید کے تحت) کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے بھی ایسی ہی باتوں سے (دعوتِ حق کو) جھٹلایا، یہاں تک کہ ہماری گرفت کا مزہ چکھ کے رہے۔ پوچھیے ان سے کہ کیا تمہارے پاس (اس معاملے میں) واقعی کوئی علم ہے، اگر ہے تو لاؤ ہمارے سامنے۔ تم جن خیالات کے پیچھے چل رہے ہو وہ محض گمان ہیں اور تم محض تیر تکے چلاتے ہو!

تقدیر کا یہ تصور جو ضلالت پر جمے رہنے کی دلیل بن جائے اور جو ہدایت کی طرف مائل ہونے میں رکاوٹ ہے قرآن اسے ظن وگمان قرار دیتا ہے اور اس طرح کے خیالات کو کہ خدا لوگوں کو جبراً معصیت وضلالت پر چلاتا ہے اور جسے ہدایت پر لاتا ہو اسے زنجیروں میں جکڑ کر زبردستی کھینچ لاتا ہے، خدا کی کتاب میں "تیر تکے اڑانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سب فضول قیاسات اور لغو فلسفہ طرازیاں ہیں۔ تقدیر کا یہ تصور قرآن کا نہیں، مشرکین کا ہے؛ خدا کا دیا ہوا نہیں، شیطان کا ایجاد کردہ ہے۔

دراصل دشمنانِ حق جب یہ سنتے تھے کہ ہدایت دینے والا اللہ ہے تو وہ پوری بات نہ سمجھنے کی وجہ سے طنزاً اس طرح کے نکتے نکال کر دعوتِ حق کی مدافعت کرتے تھے۔ ان کا کہنا اصل میں یہ تھا کہ ایک طرف تو تم لوگ کہتے ہو کہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، تو پھر تم ہمیں کس بنیاد پر یہ الزام دیتے ہو کہ ہم ضلالت میں خود پڑے ہیں اور کس بنیاد پر ہمیں بلاتے ہو کہ ہدایت قبول کریں؟ ہدایت وضلالت جب خدا کے اختیار میں ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری!

مگر مخالف کم بخت کی نگاہ ہمیشہ حقیقت کے پورے منظر کو دیکھنے سے کتراتی ہے اور ادھورے پر آتی ہے، پھر ساری بحثیں اور سارے نتیجے اسی ادھورے منظر پر کھڑے کیے جاتے ہیں۔

لوگوں نے یہ تو سُن لیا کہ خدا ہدایت وضلالت دیتا ہے، لیکن ان کے کان یہ نہ سن سکے کہ وہ کیا کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے اور کیا کرنے والوں کو ضلالت دیتا ہے۔ اُن تک یہ بات تو پہنچ گئی کہ اللہ کے کرنے کے کام کیا ہیں لیکن یہ نہ پہنچی کہ بندوں کی ذمہ داریاں کہاں تک ہیں۔

قرآن نے خدا کے ہادی و مضل ہونے کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جا بجا یہ بھی بتایا ہے کہ ہدایت وضلالت کے دروازے کن لوگوں پر کھلتے ہیں، کن کنجیوں سے کھلتے ہیں اور کونسے افکار و اعمال کے ساتھ ان دروازوں میں کسی کا داخلہ ممکن ہوتا ہے، اور دونوں طرف کیا قوانین کارفرما ہیں۔ ہدایت وضلالت کی تقدیر میں انسان کا اپنا جو کچھ حصہ ہو سکتا ہے وہ خوب اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

ہدایت وضلالت کی تقدیر قرآن میں تمام تر اسی لیے بیان ہوئی ہے کہ لوگ ضلالت سے بچنے اور ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک طرف قرآن یہ بتاتا ہے کہ فلاں فلاں آلائشیں دل سے پاک کر دو گے تو اس کے دریچوں سے اللہ کے نور کی شعاعیں داخل ہونگی اور فلاں فلاں حرکتیں کر دو گے تو یہ دل کے دریچوں کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا موجب ہونگی۔ ہدایت کا ایک راز یہ ہے کہ مانگو گے تو ملے گا، کھٹکھٹاؤ گے تو دروازے کھلیں گے، اپنے حواس کی کھڑکیاں کھلی رکھو گے تو روشنی اور تازہ ہوا اندر آئے گی، تعصب کے پردے اُٹھاؤ گے تو حقیقتیں تمہارے گھر میں داخل ہونگی، تم خود آگے بڑھو گے تو تمہارا استقبال کیا جائیگا، اپنی آنکھیں کھولو گے تو دیکھو گے اور اپنے کان لگاؤ گے تو سنو گے۔

قانونِ ہدایت یہ ہے کہ:-

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اللہ (اپنے نور اور کتاب) کے ذریعے ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے پیروکار ہوں اور سلامتی کے راستوں پر چلیں، اور پھر وہ ان کو اپنے قانون کے تحت مختلف تاریکیوں سے نکال کر روشنی

ہیں لاتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

یعنی ہدایت اس کے لیے ہے جو خدا کی رضا کو پیشِ نظر رکھے اور زندگی کے تمام معاملات میں سلامتی کے راستوں کا جویا ہو۔ یہاں تقدیرِ ہدایت بیان کرنے کا اصل مقصود یہی ہے کہ طالبینِ ہدایت کو رضاءِ الٰہی کے اتباع اور سُبُل السلام پر چلنے کا جذبہ نصیب ہو۔ نہ کہ وہ آنکھیں بند کر کے چل نکلیں کہ اللہ خود ہی جدھر چاہے گا لیے جائے گا۔

پھر فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ — اور وہ لوگ کہ جنہوں نے ہمارے لیے جد و جہد کی انہیں ہم (زندگی کے ہر میدان میں) اپنے راستے بہر حال دکھائیں گے!

یہ ہے اللہ کا قانونِ تقدیرِ ہدایت و ضلالت کے بارے میں۔ اس کے بیان کا مدعا یہی ہے کہ لوگ ہدایت الٰہی کی طلب میں اس کے راستے میں جد و جہد کرنے کی اسپرٹ سے اٹھ کھڑے ہوں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے گا۔

فلسفۂ تقدیر کا الٹا استعمال | اوپر کی چند مثالوں کو سامنے رکھ کر اگر آپ سوچیں تو پھر یہ حقیقت بہت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ قرآن کا فلسفۂ تقدیر ایمان و عمل اور جد و جہد کا فلسفہ ہے۔ لیکن جو لوگ اسے جمود، معصیت، خواہش پرستی اور بے دینی کے جواز کی دلیل بناتے ہیں دراصل ان کا فلسفۂ تقدیر ہے ہی بالکل دوسرا۔ ان کا نظریۂ تقدیر قرآن کے بالکل برعکس ہے ؎

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند